Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنام بانگ دُہل، ناگزیر وجوہات کی بنا پر، جن میں ادارے کے ایڈیٹر و پروپرائیٹر کی ناگہانی وفات شامل ہے، ہر کاروباری و اشاعتی مقصد کے ضمن میں حتمی طور پر بند کیا جاتا ہے۔ ادارے کے ٹائیٹل میں دو بنک اکاؤنٹ ہیں جن کے اندر معمولی رقم کی تفصیل ادارے کے اکاؤنٹنٹ کے پاس موجود ہے۔ اِس بارے میں ملکی قوانین کے مطابق بقیہ اَور مزید کاروائی کی جا رہی ہے۔ اخبار کے ڈیکلیریشن کے رکھنے، بیچنے یا سرنڈر کرنے کے بارے میں فیصلہ حالات کے مطابق کیا جائے گا۔ میں ادارے کی جانب سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اخبار "بہ بانگ دہل" کے دورِ اشاعت میں اگر کسی شائع شدہ مواد سے کسی شخص یا اِدارے کو شکایت کا موقع ملا ہے تو ادارہ اِس کے لِئے معذرت خواہ ہے۔"

اعلان ختم کر کے خواجہ معراج نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"آپ لوگوں کی آمد کا بہت بہت شکریہ،" وہ بولا۔ "اب آپ لوگ ہماری جانب سے فارغ ہیں۔"

کوئی رپورٹر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ سب آنکھیں پھاڑے خواجہ معراج کو دیکھ رہے تھے۔ خواجہ معراج ٹکٹکی باندھے اُنہیں دیکھتا رہا۔ "خدا حافظ،" اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا، گویا اُنہیں اپنی نظروں سے زیر کر کے پسپا ہونے پر مجبور کر رہا ہو۔

چند لمحے مزید خاموشی رہی۔ پھر سامعین میں سے ایک بولا، "خدا حافظ۔"

سب اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھے گئے۔ خواجہ معراج صورت حال کو تاڑ گیا۔

"تو ٹھیک ہے،" وہ بولا۔ "جو جی چاہے کرو۔ مگر میں یہ اعلانیہ کہتا ہوں کہ جو بیان میں نے پڑھ کر سنایا ہے اُس کے علاوہ کسی معاملے سے میرا کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہاں پہ جو کچھ مزید کاروائی ہُوئی ہے، یا ہو گی، اُس سے میں اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دیتا ہوں اَور اِس کے بارے میں ہر کسی ذمہ داری سے، گواہان کی موجودگی میں، دستبردار ہونے کا اعلان کرتا ہُوں۔ مہربانی فرما کر یہ لکھ لیں۔" خواجہ معراج پلٹا اَور شیخ سلیم کو اشارہ کر کے بولا، "چلو۔"

شیخ سلیم اُٹھ کر اُس کے پیچھے ہولیا۔ ہجُوم کے بیچ پھنس پھنسا کر گزرتے ہوئے وہ دونوں دروازے تک پہنچے۔ وہاں پہ خواجہ معراج ایک بار پھر پلٹ کر بولا، "درحقیقت اب آپ میں سے کسی کو بھی یہاں موجود رہنے کا حق نہیں۔ میں چاہوں تو اِس دفتر کو سیل کروا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا ہوں۔"

"جاؤ جی وکیل صاحب،" فرخ غوری بولا، "سیل کروانے کا بندوبست کرو۔ اِتنی دیر میں ہم ملک اعجاز کی بات سن لیں گے۔"

چند لوگ ہنس پڑے۔ خواجہ معراج غصے کی حالت میں دہلیز پار کرتے ہُوئے پیر انکنے سے لڑکھڑا گیا۔ شیخ سلیم نے اُسے دونوں جانب سے پکڑ کر سہارا دیا۔ دونوں سیڑھیاں اُتر گئے۔

اعجاز کچھ دیر تک اپنا کاغذ ہاتھ میں لِئے خاموش کھڑا رہا۔ پھر عقب سے فرخ غوری کی آواز آئی،

"چلو جی، وکیل صاب سے تو خلاصی ہُوئی۔ ملک اعجاز، اب اگلی بات سناؤ۔"

"اِس سے پہلے،" ایک اَور آواز آئی،" کہ دفتر سیل کرنے کے لِئے داروغہ جی آ جائیں۔"

سب ہنس پڑے۔ ماحول کا سکوت کچھ ٹوٹا تو اعجاز اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اَور کاغذ سامنے رکھ کر پڑھنے لگا۔

"پاکستان کے دو ٹکڑے کیونکر ہوئے؟ وہ کونسی وجوہات تھیں جن کی بنا پر پاکستانی فوج کو مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دینے پڑے؟

اِن وجوہات کا تعیّن کرنے کی خاطر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے سمیت تین اعلیٰ ترین ججوں پر مشتمل ایک کمیشن آف انکوائیری مقرر کی گئی۔ اپنی تفتیش اَور تحقیق کے نتیجے کے طور پر کمیشن اِس فیصلے پر پہنچی کہ یہ محض ایک عسکری شکست نہ تھی بلکہ ایک عظیم سیاسی اَور اخلاقی ہار تھی۔ دو مارشل لاؤں کے دوران پاکستان کے فوجی حکمران اخلاقی طور پہ اِس قدر گر چکے تھے اَور اتنے بد عنوان ہو چکے تھے کہ اُن میں جنگ لڑنے کی سکت نہ رہی تھی۔

کمیشن کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ اخلاقی گراوٹ اُس وقت شُروع ہُوئی جب سینئر افسران اُنیس سو اٹھاون کے مارشل لاء کی اِنتظامیہ میں ملوث ہو گئے۔ اِس صورتِ حال نے اُس وقت اِنتہائی شکل اختیار کر لی جب مارچ اُنیس سو اُنہتر میں جنرل یحیٰی خان نے دُوسرا مارشل لاء نافذ کر دیا۔ کمیشن کی رائے میں مشرقی پاکستان کے اندر حالات اُس وقت سنگین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوعیت اختیار کر گئے جب پچیس مارچ کو یحیٰی خان نے وہاں ملٹری ایکشن شُروع کر دیا۔

محمد اشرف نے، جو اُس وقت ڈھاکہ کا ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تھا، کمیشن کو بیان دیتے ہوئے کہا: "مشرقی پاکستان کے لوگ اپنے ہی ملک کے اندر اجنبی بنا دیئے گئے تھے۔"

بریگیڈیئر اقبال الرحمن شریف نے کمیشن کو بیان دیتے ہُوئے کہا: "جنرل گل حسن اپنے جوانوں سے پُوچھا کرتا تھا، تُم نے کتنے لوکل آدمی مارے ہیں؟"

ایک اَور گواہ نے کمیشن کو بیان دیا: لفٹننٹ جنرل اے۔کے۔نیازی نے کمانڈر، مشرقی پاکستان، کا عہدہ سنبھالتے ہی ماتحت فوجیوں سے کہا: "یہ دشمن کا علاقہ ہے۔ جو اُٹھا سکتے ہو اُٹھالو۔ برما میں ہم یہی کیا کرتے تھے۔"

کمیشن کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ میجر جنرل نذر حسین شاہ، جی۔او۔سی ۱۶ ڈویژن، میجر جنرل اے۔ ایچ۔انصاری، جی۔او۔سی۔ ۹ ڈویژن، اور بریگیڈیئر باقر صدیقی، چیف آف سٹاف، ایسٹرن کمانڈ، نے کمیشن کے روبرو اپنے بیانات میں اِنکشاف کیا کہ سات سینئر افسران اَور اُن کی یونٹیں وسیع پیمانے پر لوٹ مار میں ملوث تھے۔ اِس لوٹ مار میں نیشنل بنک کی سراج گنج برانچ سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ روپے کی چوری بھی شامل تھی۔ اِن سات افسران میں ایک بریگیڈیئر چار لفٹننٹ کرنل اَور ایک میجر شریک تھا۔ اُن کے نام، جو کمیشن کی رپورٹ میں شامل ہیں، یہ ہیں:۔۔۔۔۔"

اعجاز پڑھتا جا رہا تھا اَور سننے والوں کے قلم تھم چکے تھے۔ وہ لکھنا لکھانا بھول کر منہ اُٹھائے، آنکھیں پھاڑے، اعجاز کو دیکھ رہے تھے، جیسے کہ اُن کی تمام تر قوت کانوں اَور آنکھوں میں مجتمع ہو چکی ہو۔

"کمیشن کی رپورٹ میں،" اعجاز کہہ رہا تھا، "مندرجہ ذیل سفارشات شامل ہیں:"

۱۔ کہ جنرل یحیٰی خان، جنرل عبدالحمید خان، لفٹننٹ جنرل ایس۔جی۔ایم پیرازدہ، میجر جنرل عمر، لفٹننٹ جنرل گل حسن، اَور میجر جنرل مٹھا نے آپس میں مجرمانہ سازش کرکے پچیس مارچ اُنیس سو اُنہتر کو فیلڈ مارشل ایوب خان سے غیر قانونی طور پر اِقتدار چھینا تا کہ اِقتدار جنرل یحیٰی خان کے سپرد کیا جائے اَور اگر اِس مقصد کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑے تو وہ بھی کی جائے۔ اِس حرکت کے بدلے مذکورہ افسران پر کھلا مقدمہ چلایا جائے۔ علاوہ ازیں، اپنے مشترکہ مقصد کے حصول کی خاطر افسران کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ گروہ دھمکی اَور لالچ کے ملے جلے حربے کو استعمال کرکے سیاسی جماعتوں پر اثرانداز ہوا تاکہ انتخابات کا نتیجہ اُن کی مرضی کے مطابق برآمد ہو۔ بعد ازاں یہی حربے استعمال کرکے مذکورہ افسران کے گروہ نے سیاسی جماعتوں کو مجبور کیا کہ وہ تین مارچ، اُنیس سو اکہتر کو نیشنل اسمبلی کے ڈھاکہ اجلاس میں شریک نہ ہوں۔ اِس کے علاوہ آپس میں مشترکہ فیصلہ کرکے مشرقی پاکستان میں اَیسے حالات پیدا کئے جو وہاں پر سول نافرمانی کی تحریک کے موجب بنے۔ اِن افسران پر کھلا مقدمہ چلا جائے۔

۲۔ مشرقی اَور مغربی پاکستان کے اندر اپنے جنگی فرائض میں مجرمانہ کوتاہی برتنے پر اِن افسران پر یا کھلا مقدمہ چلایا جائے یا کورٹ مارشل کیا جائے۔

۳۔ کہ ایک اعلیٰ اختیاری کورٹ آف انکوائیری قائم کی جائے جو اُس دور کے مشرقی پاکستان کے حالات کی تفتیش کرے، اَور اِس کورٹ کی تمام تر کاروائی کا کھلا اعلان کیا جائے، تاکہ اپنے قومی ضمیر کو مطمئن کیا جا سکے۔

۴۔ کہ اِن حالات کی ڈیپارٹمنٹل انکوائیری کی جائے جن میں کہ میجر جنرل رحیم خان، جو آج کل پاکستان فوج کے چیف آف جنرل سٹاف ہیں، اَور جو کہ مشرقی پاکستان میں اپنے زیرِ کمان ۳۹ ایڈہاک ڈویژن کی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، کیسے اور کیونکر، کسی ڈی بریفنگ یا انکوائیری کے بغیر، اپنے موجودہ اعلیٰ عہدے پر فائض کئے گئے ہیں۔

۵۔ کہ اِسی طرح دیپارٹمنٹل انکوائیری پاکستان نیوی کے کمانڈر گل زرین کے بارے میں کی جائے جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ احکامات کے بغیر، کھلنا نیول بیس سے اپنے جہاز پی۔این۔ایس۔ تیمور کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

۶۔ کہ اسی طرح کی ڈیپارٹمنٹل انکوائریاں مندرجہ ذیل افسران کے بارے میں کی جائیں:

لفٹننٹ جنرل اِرشاد احمد خان، کمانڈر ۱ کور

میجر جنرل عابد زاہد، جی۔او۔سی۔ ۱۵ ڈویژن۔

میجر جنرل بی۔ایم مصطفیٰ، جی۔او۔سی۔ ۱۸ ڈویژن۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۷۔ کہ مذکورہ افسران کو محض ریٹائر کر دینا کافی نہیں ہے۔ اگر اِن پر اپنے فرائض میں مجرمانہ کوتاہی برتنے یا بزدِلی دکھانے کا الزام ثابت ہو جائے تو ان پر مقدمہ چلا کر سزا دی جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اعجاز نے اپنا کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، مگر یوں لگتا تھا جیسے وہاں پہ کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ ایک ہو کا عالم تھا۔ کسی جانب سے سانس کی آواز تک نہ آ رہی تھی۔ "یہ تو رہے اعلیٰ افسران،" اعجاز نے کہا۔ "میں کہتا ہوں کہ کیا ایک معمولی سپاہی کو بھی عدالت کے سامنے لایا گیا ہے؟ کیا اِس سانحے کا سارا بوجھ ہم کروڑوں غریب لوگوں پر ہی ڈال دیا گیا ہے، جو اِس کی جکڑ سے آج تک آزاد نہیں ہو پائے اَور اندھیرے کے گہرے غار میں بتدریج گرتے ہی چلے جا رہے ہیں؟ خدارا کوئی آؤ اَور ہمیں اِس قید سے آزاد کرو! کہا جاتا ہے کہ اگر کمیشن کی رپورٹ کو منظرِ عام پر لا کر اِس پر عمل درآمد ہوتا تو فوجی جوانوں کے مورال پر برا اثر پڑ سکتا تھا۔ کتنے نادان ہیں وہ لوگ جو ایسا سوچتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کیا سچ بولنے سے مورال ڈاؤن ہوتا ہے یا کہ جھوٹ کے پردے ڈالنے سے ہوتا ہے۔"

سچ بولنے سے تو ساکھ بحال ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اعجاز اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 20

حیدر آباد چھاؤنی میں اپنے دفتر کے اندر سرفراز نے ایک ٹیلیفون سنا۔ اُس کے پاس اُس وقت چند جونیئر افسر بیٹھے تھے۔ ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر سرفراز نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا تو ساتھ ہی وہ کرسی سے قریب قریب آدھا اُٹھ کھڑا ہوا، جیسے نیچے سے کسی نے اُسے دھکا دیا ہو۔ پھر اُسنے فون میں کہا، "ایک منٹ،" اَور ریسور کو دوسرے ہاتھ سے ڈھانپ کر سامنے بیٹھے ہُوئے افسروں کو سر کی ہلکی سی جنبش سے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ "سوری،" وہ اُن سے بولا۔ کرسیوں پہ بیٹھے ہُوئے لوگوں نے اشارہ سمجھ کر جلدی سے اپنے اپنے سامنے رکھے ہُوئے کاغذات اُٹھائے۔ خاموشی سے اُٹھ کر وہ کمرے سے چل دیئے۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک صوبیدار صاحب، جو سرفراز کی بغل کی جانب ایک فائل ہاتھ میں اُٹھائے کھڑے تھے، کمرے سے نِکل گئے۔ سرفراز نے نہایت آہستگی سے ریسیور میز پہ رکھا اَور جلدی سے جا کر دفتر کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ بھاگ کر آیا اَور سرعت سے ریسیور اُٹھا کر بولا۔ "ہیلو، ہیلو؟ ------ کہاں سے بول رہی ہو؟ ---- تُم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ ------ ہاں ہاں، میں ٹھیک ہُوں۔ تُم کیسی ہو؟ ---- تُم نے فون کیوں نہیں کیا؟ ---- میں نے؟ میں تو ہر روز تُمہیں فون کرتا رہا ہُوں۔ تم کہاں چلی گئی تھیں؟ --- جھوٹ مت بولو۔ تُمہارے نوکر نے کہا تُم اپنے گاؤں گئی ہُوئی ہو---- کون؟ ---- تُمہارے والد؟ اوہو، آئی ایم سوری۔ اب وہ کیسے ہیں؟ ---- ٹھیک ہیں؟ ---- مگر ظالم، مجھ سے کانٹکٹ تو کیا ہوتا۔ میں تو پاگل ہو رہا تھا، بلکہ ابھی تک ہو رہا ہوں، یہ سوچ سوچ کر کہ اب تُم مجھ سے کبھی نہیں ملوگی ---- کیا بات ہے، تُمہاری ہنسی کہاں گئی، تم تو میری ایسی باتوں پہ ہنسا کرتی تھیں، خاموش کیوں ہو؟ ---- نہیں ہو؟ ---- غلط، تُمہاری تو آواز میں ہی خاموشی بھری ہُوئی ہے ------ امتحان، اچھے نہیں ہوئے؟ ---- آئی ایم سوری۔ چلو فکر کی کیا بات ہے، اگلے برس سہی ---- ہاں یہ بات تو ہے، ساتھ والے آگے نِکل جائیں گے۔ مگر ایسی بھی کیا بات ہے، تُم ابھی اوور ایج نہیں ہُوئیں ---- سوری، میں مذاق نہیں کر رہا۔ میں تُم سے مذاق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرونگا؟---- ہیں؟ بھئی اِتنی جلدی بھی کیا ہے، اتنی مدت کے بعد تُمہاری آواز سنی ہے، میرے تو جسم میں جان پڑ گئی ہے------ کیا کہا؟---- اونہوں، جھوٹ بولوں تو کافر---- ہیں؟------ چلو غدار سہی، جھوٹ بولوں تو غدار۔ جب سے تم غائب ہُوئی ہو میں مُردوں کی طرح زمین پہ چل پھر رہا ہُوں---- کیا؟---- تمہیں یقین نہیں آ رہا؟ کیوں نہیں آ رہا؟---- ڈیوٹی؟ بھئی ڈیوٹی دینا تو ایک نوکری ہے، عادتاً بھی چلتی رہتی ہے۔ تُم نے اپنے سول کے دفتروں میں نہیں دیکھا، سب مُردے بیٹھے ڈیوٹیاں دے رہے ہوتے ہیں---- اونہوں، مذاق نہیں کر رہا۔ اب میرے اندر صرف ڈیوٹی کرنے کی جان رہ گئی ہے، باقی تُمہارے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی---- اب؟ اب ساری جان واپس آ گئی ہے---- ہاں، کیوں نہیں، اب میں اکیلا ہندوستان کو فتح کر سکتا ہُوں------ ہنسومت، دیکھ لینا، ایک دِن دکھا دوں گا، بس تُمہارا ساتھ چاہیئے---- بھئی ابھی مت جاؤ، کچھ دیر رُک جاؤ---- اچھا فون رکھو، میں تُمہیں رِنگ کرتا ہُوں---- کیا؟ گھر پر نہیں ہو؟ کہاں پر ہو، نمبر دو، میں فون کرتا ہُوں---- کیوں، کیوں نہیں کر سکتا؟---- ہاں، سن رہا ہوں، کیا بات ہے؟---- بھئی کہا تو ہے سن رہا ہُوں---- اچھا؟ کیا ضرورت ہے؟---- تُمہاری سہیلی کو ہے؟---- کتنے چاہئیں؟---- ٹھیک ہے، بھیج دیتا ہُوں---- ہاں ہاں، آج ہی بھیجتا ہُوں---- کیا کہا؟ تُمہیں نہ بھیجوں؟---- پھر کس پتے پر بھیجوں؟---- ٹھیک ہے، لکھوا دو۔ شہلا رضوی، گلی لوہاراں، رنگ محل---- ہاں ہاں، مگر دیکھو، ایک بجنے والا ہے، بنک اگر بند نہیں ہو گئے تو آج ہی ورنہ کل صبح سویرے------ بھئی میں نے کبھی جھوٹا وعدہ کیا ہے؟ جھوٹے وعدے کرنے میں تُم ماہر ہو---- ٹھیک ہے، ابھی آزمالیتا ہوں، مُجھے فون کروگی---- کب؟---- کل؟ ٹھیک ہے، چار بجے کرنا، میرے کمرے میں کرنا---- وعدہ؟ پکا وعدہ؟---- میں اِنتظار کرونگا---- اچھا ٹھہرو ٹھہرو، ایک ضروری بات پُوچھنا تو بھول ہی گیا، تُم مجھے اِسی طرح پیار کرتی ہو ناء؟---- ہیلو---- ڈیم!"

سرفراز نے رِیسیور واپس رکھ دیا۔ ایک مِنٹ تک وہ اُسی طرح بے حرکت بیٹھا، ہونٹوں پہ حیرت زدہ مسکراہٹ لِئے سامنے دیوار کو دیکھتا رہا۔ پھر جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو، اُس نے تیز تیز میز کے دراز کھولے اَور بند کئے، ایک میں سے چیک بک نکالی اَور گھنٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے کر اپنے باوردی ڈرائیور کو بلایا۔

"جلدی سے یہ چیک لے جاؤ ریاض۔ اِسے کیش کرا کے ڈاکخانے جاؤ اَور یہ ایڈریس ہے، اِس پر منی آرڈر کر دو۔"

"سر منی آرڈر کی فیس اِن پیسوں سے ادا کر دوں؟"

"نہیں نہیں، یہ لو تیس روپے ہیں، اِن میں ایکسپریس منی آرڈر کی فیس پوری ہو جائے گی۔ ایکسپریس کرنا۔ مگر جلدی کا کام ہے ریاض، دس مِنٹ ہیں بنک بند ہونے میں۔۔۔۔"

"سر چار مِنٹ کا راستہ ہے۔ سیدھا جا رہا ہُوں۔"

"ہاں۔ یہ کام آج ہونا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"ڈرائیور کے جانے کے بعد سرفراز کے لِئے ایک مِنٹ تک کرسی پہ بیٹھنا محال ہو گیا۔ اُس نے اُٹھ کر کمرے میں اِدھر سے اُدھر دو چار چکر لگائے۔ پھر وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اَور سامنے میدان میں چلتے پھرتے ہُوئے فوجیوں کو دیکھتا رہا۔ اُس کو چین نہ آیا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے بجلی کی ایک رو اُس کے اندر چل رہی ہے جو پاؤں کے رستے زمین میں اُترتی جا رہی ہے، اَور زمین کی لرزش اُس کے جسم میں منتقل ہو کر اُس پہ تھرتھری طاری کئے ہُوئے ہے۔ آخر مجبور ہو کر اُس نے دفتر کے دروازے کے پاس جا کر اُسے بند کیا اَور اِس قدر آہستگی سے اُس کی چٹخنی چڑھائی کہ خُود سرفراز کو بھی اُس کی آہٹ سنائی نہ دی۔ اپنے آپ کو یوں دفتر میں محبوس کر کے سرفراز نے ایسی آزادی محسوس کی کہ جیسے وہ لق و دق میدان میں اکیلا کھڑا ہو، اَور اچانک اُس کے شانوں پہ پَر اُگ آئے ہوں اَور اُس نے آسمان پہ اُڑنا شُروع کر دیا ہو۔ مگر وہ زمین پہ کھڑا تھا۔ اڑنے کی سکت نہ ہونے کے سامنے اُسے ایک ہی رستہ دکھائی دیا۔ وہ اپنے دفتر کے فرش پہ بچھی دری پر لیٹ گیا اَور لیٹا لیٹا لوٹنے لگا۔ اُس کے اندر بجلی کی قوت اُسی طرح لرزاں تھی۔ لوٹتے لوٹتے وہ ایک دیوار سے دُوسری دیوار تک چلا گیا۔ ایسا کرنے سے اُسے ایک ایسی آزادی کا احساس ہوا جس سے وہ ایک مدت ہُوئی ناآشنا ہو چکا تھا۔ کبھی بچپن میں وہ دُوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا چارے کے ہرے بھرے کھیتوں میں اِس طرح قلابازیاں کھایا کرتا تھا۔ اِس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت کھردری دری اَور درمیان میں ایک مختصر سے پرانے گھسے ہُوئے قالین پہ لوٹتے لوٹتے سرفراز نے چارے کے سبز نرم پتوں کی مخصوص بو کو اپنے نتھنوں میں محسوس کیا۔ اُس کے ساتھ ملی جلی نسرین کے بدن کی خوشبو بھی تھی۔ اِس یاد نے اُس کے اندر کی رو پہ ایک کرنٹ کا کام کیا اَور چت لیٹ کر اُس نے دونوں ٹانگیں اَور دونوں بازو اُوپر اُٹھائے اَور اُنہیں ہوا میں بے تک چلانے لگا۔ پھر رک کر وہ لوٹتا لوٹتا دور تک لڑھکتا گیا اَور وہاں پہ بازو اَور ٹانگیں اُٹھا کر پوری قوت سے اُنہیں بے سمت اِدھر اَور اُدھر ہلانے لگا۔ اُس کے دِل میں مسرت کا ایک طوفان تھا جو ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ چند مِنٹ تک یہی حرکت کرتے اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک مانوس منظر اُبھر آیا۔ گاؤں میں گدھے اپنی گاڑیاں کھینچنے سے آزاد ہو کر یوں مٹی میں لوٹتے ہُوئے چاروں ٹانگیں اُٹھائے خوشی سے اُنہیں ہوا میں چلایا کرتے تھے۔ سرفراز بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ گدھے کی مانند ڈھینچوں ڈھینچوں کرنا شُروع کر دے۔ اُس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ یہ اُس کا دفتر تھا۔ ایک لحظے کے اندر وہ اپنی دنیا میں واپس پہنچ گیا۔ اُسے اپنی حرکات پہ ذرّہ برابر شرمندگی کا احساس نہ ہوا، صرف اپنی حیثیت کا خیال آیا۔ اُس نے اپنی وردی پہ لگی گرد کو جھاڑا، دروازے پہ جا کر ہولے سے چٹخنی اُتاری، اور ایک پٹ وا کر کے واپس اپنی کرسی پہ آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے دِل میں خُدا کا شکر ادا کیا کہ اُس چند مِنٹ کے وقفے کے دوران کسی نے اُس کا دروازہ نہ کھٹکھٹایا تھا۔

چار روز کے بعد سرفراز کو سب سے پہلے حسن کا فون پہنچا کہ اُس کا باپ تین دِن سے گھر نہیں آیا۔ حسن کو مزید کسی تفصیل کا علم نہیں تھا۔ سرفراز نے کئی سوالات کیے، جن کے جواب میں حسن نے صرف اتنا کہا کہ "بی بی نے کہا ہے چاچے کو فون کرو کہ ابا تین دِن سے 'غیب' ہے۔" سرفراز نے اُس سے کچھ اَور سوال کیے اَور کہا کہ اُن کے جواب معلوم کر کے دوبارہ فون کرے۔ پھر اُس نے نسیمہ کو فون کیا اَور اُسے اطلاع دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد اپنے سوال دہرائے۔ "لالہ گھر سے اکیلا گیا تھا؟ اگر نہیں تو کس کے ساتھ گیا تھا؟ جاتے وقت کیا کہہ کر گیا تھا؟ پہلے بھی وہ دو دو چار دِن گھر سے باہر رہا کرتا تھا۔ اب تشویش کی کیا وجہ تھی؟ کوئی اَور متعلقہ بات؟؟ خُود جاؤ اَور جتنی معلومات بھی مِل سکتی ہیں حاصل کرو۔۔۔۔"

اگلے روز نسیمہ کا فون موصول ہوا۔ "کچھ پتا نہیں چلا۔ بی بی کہتی ہے ایک آدمی آیا تھا، سادے سے لباس میں تھا، پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک پیغام دے کر چلا گیا۔ اُس کے فوراً بعد لالہ یہ کہہ کر کہ ابھی واپس آتا ہے، موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گھر سے نِکل گیا تھا۔ آج چوتھا روز ہے، مڑ کے نہیں آیا۔"

"مَیں کب سے اِنتظار کر رہا ہوں،" سرفراز نے چیخ کر کہا، "اِتنی دیر لگا دی؟"

"بھئی میں نے پھر شبو کو بتایا۔ اُس کی طرف سے اطلاع ابھی ملی ہے۔"

"کیا اطلاع ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ اُس نے سارے تھانے وغیرہ کھنگال مارے ہیں، کوئی خبر نہیں ملی، نہ ہی لالے کا موٹر سائیکل ہی کہیں دکھائی دیا ہے۔"

"عجیب بات ہے!"

"ہاں۔ شبو کہتا ہے اُس کی کوشش ابھی جاری ہے، نااُمید نہیں ہونا چاہیے۔ مگر بی بی بہت پریشان ہے۔ تُم اگر۔۔۔۔"

"کیا کہا؟ آواز نہیں آ رہی۔"

"لائن خراب ہے۔ میں کہہ رہی ہوں اگر تُم چند دِن کے لِئے آ سکو تو۔۔۔۔"

"زور سے بولو۔ آواز بند ہو گئی ہے۔"

"تمہاری آواز بھی بہت ہلکی آ رہی ہے۔ میں نے کہا تُم آ سکتے ہو؟"

"بہت مشکل ہے۔ ہماری یونٹ اگلے ہفتے بلوچستان جا رہی ہے۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرو۔ بی بی بیحد اَپ سیٹ۔۔۔۔"

"ہیلو۔۔۔۔ بلاسٹ!"

سرفراز دو دِن کی ایمرجنسی چھٹی لے کر آیا تو اعجاز ایک روز پیشتر ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ "جب تُم نے فون پہ بتایا کہ آ رہے ہو تو کچھ ہی دیر کے بعد مُجھے اطلاع ملی کہ لالہ گھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ گیا ہے۔" نسیمہ نے اُسے بتایا۔ "میں نے سوچا کہ اول تو تم چل پڑے ہوگے، ویسے بھی تمہارا آنا ضروری تھا۔ لالے کی حالت ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔"

اعجاز تانگے پہ سوار ہو کر گھر پہنچا تھا۔ وہاں سے اُسے بیوی اور بیٹوں نے سہارا دے کر اندر چارپائی پہ آ لٹایا۔ اُس کے کپڑے صحیح سلامت تھے، مگر اُس کا بدن ٹوٹ چکا تھا۔ اُس نے اپنی چھ روزہ غیرحاضری کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ سب سے پہلے اُس نے سب کو ہدایت کی کہ سرفراز کو اِس واقعہ کی اِطلاع نہ دی جائے۔ "حسن نے اُسے ٹیلیفون کر دیا تھا،" سکینہ نے بتایا۔ "نسیمہ بھی آئی تھی۔" "یہ تو نے ٹھیک کام نہیں کیا،" اعجاز نے کہا۔ "اُس کی نوکری ہے، اِن قصوں میں اُسے شریک کرنا درست نہیں۔"

"ہمارا اور کون ہے؟ ایک سرفراز ہے جس کی کوئی پزیشن ہے۔ ابا اور باسا تو بس مرنے مارنے پر تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ لڑکے بھی اُن کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ذرا کوئی دُوسرا کام آ پڑے تو سب صفر ہیں۔ نسیمہ کچھ عقل والی ہے، اُس نے دوڑ بھاگ کی۔ چھ دِن اور چھ راتیں تمہاری نہ کوئی خبر نہ اخبار۔ سیکل تک کا نشان نہیں ملا۔ میں پھر کیا کرتی؟" سکینہ نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد روتی اور پھر خاموش ہو جاتی، جیسے رونے سے اُس کے وقت کا حرج ہو رہا ہو۔

"چل اب چپ کر جا،" اعجاز نے کہا۔ "کچھ بگڑا بگڑایا نہیں۔ چھوٹے موٹے زخم ہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"چھوٹے موٹے ہیں؟ ایک ٹانگ سوج کر کپا ہو گئی ہے۔ اندر پتا نہیں کیا گند بلا پک رہا ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گا۔ اب چھوڑ اِس بات کو۔"

جب سرفراز اور نسیمہ پہنچے تو سکینہ سرفراز سے لپٹ کر ایک بار پھر چند لمحے کے لئے روئی۔ مگر اب اُس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھی اور اُن میں سے وحشت جھانک رہی تھی۔

"تم اِتنی دور سے کس لے آئے ہو،" اعجاز نے سرفراز سے کہا۔ "ایسی بھی کیا بات تھی۔"

"چھ دِن تک تم گھر سے غائب رہے ہو، کوئی انفرمیشن نہیں، کوئی پیغام نہیں، کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو کچھ پتا نہیں کہ کہاں پر ہو، بی بی پریشان۔۔۔۔"

اعجاز بستر پر کروٹ لیتے ہُوئے درد کے مارے آنکھیں سکیڑ کر ہنسا۔ "بی بی تو کہتی تھی میں کسی عورت کے ساتھ بھاگ گیا ہُوں۔"

"ہائے میری زبان پہ کوئلہ، میں نے کب کہا تھا" سکینہ نے دہائی دی۔

"چاچے نے بتایا ہے۔"

"ہائے ہائے، ابّے کی تو عقل ماری گئی ہے۔"

"تو نہیں کہتی تھی کسی چڑیل کو لے کر نِکل گیا ہو گا؟" چاچا احمد بولا۔

"ابا تو زیادہ باتیں نہ بنا۔ پہلے یا دُوسرے دِن میرے مُنہ سے کوئی بات نِکل گئی ہو گی۔ تو نے بات ہی پکڑ لی ہے۔"

چاچا احمد یوں لاپروائی سے بیٹھا حقہ پی رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ "اوئے باسے" اُس نے بیٹے کو آواز دی۔ "پتا کر پتا، اندر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی پلس کے ذریعے پتا لگا کہ کس نے اعجاز کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ بردو مار کے اُن کو برباد نہ کر دوں تو میرا نام احمد خاں رٹھور نہیں۔"

اعجاز نے عباس کو اپنے پاس بلایا۔ "حسن کو ساتھ لو اَور پُرانی یونیورسٹی ہے ناں، توپ والے چوک کے پاس، اُس کے اِرد گرد کے علاقے میں کسی جگہ میرا موٹر سائیکل کھڑا ہو گا۔ اسے لے آوَ۔"

"تجھے پتا نہیں کہاں کھڑا کیا تھا؟" چاچے احمد نے پُوچھا۔

اعجاز چاچے کو جواب دینے کی بجائے عباس مخاطب ہوا۔ "ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا۔ اُس علاقے کے آس پاس کی ساری بلڈنگوں میں گھُوم پھر کر تلاش کرنا، کہیں نہ کہیں مِل جائے گا۔"

"اور چابی؟" عباس نے پُوچھا۔

"کاٹھی کے نیچے ہاتھ مارنا، وہیں اٹکی ہو گی۔"

"کاٹھی کے نیچے چابی؟ لالہ" سرفراز نے پُوچھا "قِصہ کیا ہوا ہے، کچھ تو بتاوَ۔"

"سرفراز، تو اِن باتوں سے سروکار نہ رکھ" اعجاز نے کہا۔ "تیری بی بی تو بیوقوف ہے۔ تجھے فون شون کروانے کی کیا ضرورت تھی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں سروکار نہ رکھوں لالہ۔ کیا بات کرتے ہو؟"

"تیری نوکری فوج کی ہے، اُس پر دھیان دے، ترقی کر، ہم سب کا فائدہ اِسی میں ہے۔ تو نے اپنے حصے کی سزا کاٹ لی ہے۔ میری خیر ہے۔"

"یہ خیر ہے؟" سرفراز اُس کی ٹانگ اَور گردن کی جانب اشارہ کرکے بولا، جہاں بڑے بڑے اُبھرے ہُوئے سرخ چٹاخ دکھائی دے رہے تھے۔ جواب دینے کی بجائے اعجاز دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

"کوئی قِصّہ نہیں بچے،" چاچا احمد حقہ گڑگڑا کر بولا۔ "اجاز کبھی ایک کام میں ہاتھ ڈال دیتا ہے کبھی دُوسرے میں، ایک جگہ پر ٹک کر نہیں بیٹھتا۔ بس یہ قِصّہ ہے۔ اِس طرح دشمن پیدا ہوتے ہیں۔ اوئے باسے۔" اُس نے آواز دی۔

"باسا موٹر سیکل لینے چلا گیا ہے،" سکینہ نے سٹپٹا کر باورچی خانے سے جواب دیا، جہاں وہ اپنی ماں اَور نسیمہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"بس دشمن کا پتا لگا کر مجھے بتا دو۔ آگے میں جانوں اَور میرا کام۔ دشمن کا بیج فنا کر دوں گا۔"

"ابا تجھے فنا کرنے کے سوا کوئی اَور کام بھی آتا ہے؟ چپ کرکے بیٹھ۔ سرفراز کو بات کرنے دے۔"

"لالہ؟" سرفراز نے آہستہ سے بلایا۔

اعجاز اُسی طرح مُنہ پرے کئے بے حرکت لیٹا رہا۔

"سکینے،" چاچا احمد بولا۔ "جیسے تجھے بتایا ہے اُس طرح پُلٹس تیار کر۔ میرے جثے پر ایک سے ایک بڑی چوٹ لگی ہے۔ اجاز کو پُلٹس لگا، دو دِن میں اُٹھ کر بیٹھ جائے گا۔"

"لالہ؟" سرفراز نے دوبارہ اعجاز کو بلایا تو نسیمہ باورچی خانے سے اُٹھ آئی۔

"آرام کرنے دو،" وہ ہولے سے بولی۔ "بعد میں بات کرلینا۔ چاچا آپ بھی باہر چل کر بیٹھیں۔ لالے کو آرام کی ضرورت ہے۔"

سرفراز اَور چاچا احمد اُٹھ کر صحن میں چارپائی پہ جا بیٹھے۔ چاچے احمد نے حقے کا لمبا کش لیا۔ "سرفرازے، تیری منگیت عقل والی ہے،" وہ بولا جیسے اُس کو پہلی بار اِس کا دھیان آیا ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر کے بعد سکینہ اُٹھ کر سرفراز کے پاس چارپائی پہ آ بیٹھی۔ "تیرا لالہ جب سے آیا ہے،" وہ نیچی آواز میں بولی، "کاغذوں پہ کاغذ لکھتا جا رہا ہے۔ کل سارا دِن اَور آدھی رات تک لکھتا رہا ہے۔ ورکے کالے کر دیئے ہیں۔"

"اچھا؟ وہ کہاں ہیں؟"

"اُس کے تکیئے کے نیچے ہیں۔"

سرفراز کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا، "میں لے کر آتا ہوں۔"

"دھیان سے نکالنا۔ تسلی کر لینا کہ سو رہا ہے۔"

"تمہارے خیال میں سو رہا ہے؟"

"ہاں۔ اگر جاگتا ہوا تو ہاتھ نہ ڈالنا۔ اُنہیں جان سے لگا کر رکھتا ہے۔"

سرفراز نے دبے پاؤں جا کر چارپائی کے سرکی جانب سے اعجاز پہ نظر ڈالی۔ اعجاز ہولے ہولے خراٹے لے رہا تھا۔ سرفراز نے کمال احتیاط کے ساتھ دُوسری جانب سے تکیہ اُٹھایا تو اُسے چند اوراق کا ایک کونہ دکھائی دیا۔ اُن کو اُنگلی اَور انگوٹھے میں پکڑ کر نہایت آہستگی سے انچ انچ سرکاتے ہُوئے سرفراز کو تین چار منٹ لگ گئے۔ آخر وہ ورق اُس کے ہاتھ میں آ گئے اَور اعجاز اُسی طرح محوِ خواب رہا۔ کسی کسی وقت نیند میں اُس کے مُنہ سے درد کی ہلکی سی کراہ خارج ہوتی، مگر اگلے ایک گھنٹے تک وہ گہری نیند سویا رہا۔ اُس ایک گھنٹے کے دوران سرفراز صحن والے کمرے میں، دروازہ بند کئے، اعجاز کے ہاتھ کے لکھے ہُوئے ہلکے پیلے رنگ کے اوراق کو لِئے بیٹھا رہا۔ اوراق کی تعداد کل چودہ تھی، جن میں سے پانچ لکھائی سے بھرے تھے، باقی کے سادہ تھے۔ اعجاز کی تحریر ابھی جاری تھی۔ یہ اُن دِنوں کی روداد تھی، جن کے دوران وہ گھر سے غیر حاضر رہا تھا۔

جس وقت سرفراز اُن اوراق کو لے کر کمرے میں آیا تھا اُس وقت اُس کا اِرادہ تھا کہ جلدی سے پڑھ کر اُسی طرح اُنہیں واپس تکیئے کے نیچے رکھ دے گا۔ مگر وہ ابھی تیسرے صفحے کے شُروع میں ہی تھا کہ اُس سے آگے نہ پڑھا گیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تحریر یہ تھی۔

"پندرہ اگست کو صبح سویرے ایک آدمی میرے گھر ایک پیغام لے کر آیا۔ اُس نے اپنا تعارف خواجہ معراج کے ایک ملازم کی حیثیت سے کرایا اَور کہا کہ "رحمانیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پبلیکیشنز" کے اثاثوں کی ڈِسپوزل کے سلسلے میں خواجہ معراج نے "بہ بانگ دہل" کے دفتر میں گیارہ بجے ایک میٹنگ رکھی ہے اَور اور مجھے اُس میں شرکت کرنے کو کہا ہے۔ میں یہ پیغام سن کر دِل میں حیران ہوا۔ اول تو اس ادارے کے کاروباری معاملات سے میرا کوئی تعلق نہ تھا۔ دُوسرے خواجہ معراج سے میری آخری ملاقات خاصی ناخوشگوار رہی تھی۔ میں نے پیغام لے کر آنے والے سے استفسار کیا تو وہ بولا کہ شیخ سلیم، شیخ وسیم، اَور ان کی ہمشیرہ، یعنی بدیع الزمان کی بیوہ بھی میٹنگ میں شرکت ہوں گی، اَور کہ اُس نیک خاتون کا اِسرار تھا کہ وہاں پہ میری موجودگی بھی ضروری تھی۔ یہ سن کر میں نے آنے کی حامی بھر لی۔ میں وقت سے چند مِنٹ پہلے "بہ بانگ دہل" کے دفتر پہنچا۔ وہاں ایک بڑی سی نیلے رنگ کی فورڈ ٹرانزٹ وین کھڑی تھی۔ وہ شخص جو مجھے بلانے آیا تھا وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اُس نے بتایا کہ یہ پرائیویٹ سروئیرز کی گاڑی تھی جو دفتری سامان کا سروے کریں گے، اَور یہ کہ خواجہ صاحب ابھی نہیں پہنچے۔ دفتر بند تھا۔ اُس آدمی نے مجھے تسلی دی کہ خواجہ صاحب دُوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر آتے ہی ہوں گے اَور چابی سے دفتر کھولیں گے۔ پھر اُس نے مجھے وین میں آ کر سروئیر صاحب سے ملنے اَور وہاں اِنتظار کرنے کی دعوت دی۔ میں اُس کے ساتھ وین تک گیا۔ ڈرائیور کی سیٹ خالی تھی۔ ساتھ والی سیٹ پر ایک موٹا سا پینتیس چالیس برس کا آدمی بیٹھا تھا۔ اُس نے گرمجوشی سے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔

"آیئے آیئے،" وہ وین کا دروازہ کھول کر بولا۔

میں نے کہا کہ سامنے ہمارے ایک جاننے والی کی دکان ہے، میں وہاں بیٹھ کر انتظار کرتا ہُوں۔

"میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں،" وہ بولا۔ "آپ کو دفتر کے سامان کا کچھ اندازہ ہے؟"

"تھوڑا بہت ہے،" میں نے کہا۔ "اندازے سے ہی بتا سکتا ہُوں۔"

"تو آیئے۔ کچھ دیر باتیں ہو جائیں۔ ہمیں بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ خواجہ صاحب نے مجھے کوئی ڈیٹیل نہیں بتائی۔ آپ جانتے ہیں، ہمارا تو یہ بزنس ہے۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اُس کے ساتھ گھس کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دُوسرے آدمی نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ دُوسری طرف سے جا کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اُس نے چابی گھمائی اَور شررر کر کے وین کو لے اُڑا۔ جیسے ہی وہ وین ٹائیروں سے آگ اُگلتی ہُوئی سڑک پر چڑھی، پیچھے سے دو آدمیوں نے میرے دونوں بازو قبضے میں لئے، تیسرے نے میرے سر کو قابو میں کر کے میری آنکھوں اَور مُنہ پر کالی پٹی باندھ دی۔ پھر اُنہوں نے مجھے سیٹ سے گھسیٹ کر کھینچا اَور پچھلے حصے میں وین کے فرش پر لٹا دیا۔ مُجھے اتنی مہلت نہ ملی کہ میں مزاحمت تو ایک طرف، آواز بھی نکال سکوں۔ دو آدمی میرے بدن کے اُوپر بیٹھے تھے اَور تیسرا ایک رسی سے میرے دونوں ہاتھ اَور دونوں پیر باندھ رہا تھا۔ گاڑی شہر سے باہر نِکلی تو میرے اوپر بیٹھے آدمی اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ میں کروٹ بدل کر لیٹ گیا، کیونکہ میرے دونوں ہاتھ پُشت پہ بندھے تھے، اَور میرے اپنے جسم کے علاوہ دو مزید آدمیوں کے بوجھ تلے پسے جا رہے تھے۔ دو روز قبل سے مُجھے زکام کی شکایت ہو رہی تھی جس کی وجہ سے میری ناک بند تھی۔ میرے مُنہ میں کپڑا ٹھنسا تھا۔ کئی مِنٹ تک میری سانس رُکی رہی۔ پھر میں نے سر کی بائیں جانب کو زور سے وین کے فرش پر پٹکا، جس سے میرا دہنا نتھنا کچھ کھل گیا۔ میری سانس جاری ہُوئی، مگر صرف اتنی حد تک کہ جان آتی جاتی رہے۔ وین کئی گھنٹے تک متواتر چلتی رہی۔ کچھ عرصے کے بعد میرے اندر سے وقت کا تصور جاتا رہا۔ مُجھے یوں لگا جیسے وین سارا دِن ہی چلتی رہی تھی۔ آخر کار ایک جگہ پر وین پکی سڑک کو چھوڑ کر کسی ٹوٹے پھوٹے راستے پر چل نِکلی، جہاں وہ دھکے کھا کھا کر چلنے لگی، جیسے گڑھوں یا پتھروں پر لڑھک رہی ہو۔ جلد ہی ایک مقام پر جا کر وین رُک گئی۔ وہاں پہ مُجھے کھینچ کر نیچے اُتارا گیا، میرے پاؤں پہ بندھی ہُوئی رسی کھول دی گئی اور دو آدمی مُجھے پکڑ کر چلاتے ہُوئے لے چلے۔ اُس وقت میں نے خُدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے اپنے پیروں پہ کھڑا کیا گیا تھا۔ دِن بھر لوہے کے فرش پہ لیٹے لیٹے میرے بائیں جانب کا سارا بدن یوں درد کر رہا تھا جیسے پھوڑا بن چکا ہو۔ پہلے ہم پندرہ بیس سیڑھیاں چڑھے۔ پھر آگے تھوڑی دور تک چلنے کے بعد ایک دروازے سے گزُر کر کمرے میں داخل ہُوئے۔ دروازے کا اندازہ مُجھے یوں ہوا کہ اس کی دہلیز پہ میرے پیر کو ہلکی سی ٹھوکر لگی تھی۔ اندر داخل ہو کر مُجھے ایک دیوار کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد چند آدمیوں کے کمرے میں داخل ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اَور کرسیاں کھینچنے کی آوازیں آئیں۔ بیٹھتے ہی اُنہوں نے میرے اوپر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"وہ کاغذ جو تُم نے پریس کانفرنس میں پڑھ کر سنایا تھا، تُمہارے اپنے کہنے کے مطابق ایک بڑی دستاویز کا حصہ تھا۔ وہ دستاویز تُمہیں کہاں سے حاصل ہُوئی؟"

میں نے اُنہیں بتایا کہ ایک نامکمل اجنبی شخص ایک جگہ پہ مجھے ٹھہرا کر ایک پلاسٹک کا تھیلا میرے ہاتھ میں پکڑا گیا تھا، جس میں یہ کاغذات تھے۔

"اب وہ کاغذات کہاں پر ہیں؟"

میں نے کہا کہ وہ میں نے جلا دیئے تھے۔

"کیا تُم سمجھتے ہو کہ اِس دیوانے کی بڑ پر ہم یقین کر لیں گے؟"

میں نے بتایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اَور میں مزید کچھ بتانے سے قاصر ہوں کیونکہ اِس کے علاوہ مجھے کسی بات کا علم نہیں ہے۔ "ہمیں تُمہارے سارے کیریئر کا علم ہے۔ تُمہارے سیاسی لوگوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں۔ تُم پہلے حکومتی پارٹی میں تھے۔ اس پارٹی نے اِنتظامی بد عملی کے الزام میں تُمہیں پارٹی سے نکال دیا تھا۔ اب تمہارے رابطے اپوزیشن کے ساتھ ہیں۔ اَور اپوزیشن کے رابطے ملک کے بیرونی دشمنوں سے ہیں۔ کیا تُمہیں یہ دستاویز اُن لوگوں سے حاصل ہُوئی ہے؟"

اِس سے مجھے کم از کم ایک بات کا احساس ہوا، کہ یہ دستاویز دُرست تھی۔ میری آنکھوں پہ پٹی، اَور پُشت کے پیچھے ہاتھوں پہ رسی بندھی تھی۔ اُسی اندھیرے میں کھڑے کھڑے میں نے جواب دیا کہ میں جو کچھ پہلے بتا چکا ہوں وہ حقیقت پہ مبنی ہے اَور اس کے علاوہ مجھے کسی بات کا علم نہیں۔

"تو انتظار کر۔ تجھے خود بخود بہت سی باتوں کا علم ہو جائے گا" سوال والے نے طنز سے کہا۔

پھر اُس نے غالباً میرے پہرے داروں کو ہدایت دی، جس پہ وہ دونوں مجھے پکڑ کر چلاتے ہوئے اس کمرے سے نکال کے لے آئے۔ آگے شاید کئی برآمدے آئے، جن کے اندر ہم مڑتے مڑاتے ہُوئے سیڑھیاں اُترنے لگے۔ میری ناک میں سیلی سی بدبو داخل ہوئی۔ ہم شاید کسی تہہ خانے میں اُتر چکے تھے۔ کئی سیڑھیاں اُترنے اَور موڑ کاٹنے اَور پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید سیڑھیاں اُترنے کے بعد مجھے لے کر وہ ایک کمرے میں داخل ہُوئے۔ وہاں اُنہوں نے میری آنکھوں سے پٹی اتار دی۔ ان دو آدمیوں نے باہر سے ایک مسلح پہرے دار کو بلایا جس نے وہ رسی جس سے میرے ہاتھ بندھے تھے، کھول کر پُشت پر ہی میرے ہاتھوں کو ہتھکڑیاں لگا دیں۔ وہ دو آدمی جو مجھے لے کر آئے تھے، مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ جلد ہی پہلے دو آدمیوں کی جگہ لینے کے لِئے دو نئے آدمی آ گئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ یہ ایک چھوٹا سا جیل کی طرح کا کمرہ تھا جس کا لوہے کی سلاخوں والا دروازہ تھا۔ پہرے دار دروازے پہ تالا لگا کر چلا گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں اندھا سا بجلی کا بلب جل رہا تھا۔ دیواروں میں کوئی کھڑکی، دروازہ یا روشندان نہ تھا۔ کمرے کی بُو سے محسوس ہوتا تھا جیسے برسوں سے وہاں تازہ ہوا کا دخل نہ ہوا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ زمین پر پتلا سا کمبل بچھا تھا۔ وہ دو آدمی اُس کمبل پر بیٹھے تھے۔ میں تھک کر بیٹھتا تو دونوں آدمی اُٹھتے اَور مجھے بالوں سے کھینچ کر کھڑا کر دیتے۔ میں بے سہارا کھڑا تھا۔ کبھی میں دیوار سے ٹیک لگانے لگتا تو وہ آدمی دوبارہ مجھے بالوں سے پکڑ کر دیوار سے دور لا کھڑا کرتے۔ نیند یا نقاہت کی وجہ سے میرے پاؤں لڑکھڑاتے تو وہ آدمی میرے مُنہ پہ طمانچے مار کر مجھے جگا دیتے۔ کئی گھنٹے تک میں اِسی طرح کھڑا رہا۔ گو مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہ تھا، مگر میرے حساب سے ایک دِن اَور رات گزر چکے تھے۔ اس کے بعد دور کہیں ایک لوہے کا بھاری دروازہ کھلنے اَور بند ہونے کی آواز آئی۔ برآمدے میں بوٹوں کی آواز کے ساتھ ہی دو آدمی نمودار ہوئے۔ پہرے دار نے میرے کمرے کا تالا کھولا اَور وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے پہلی بار اُن کی شکلیں دیکھی تھیں، مگر اُن کی آوازوں سے مجھے پہچان ہو گئی کہ یہ وہی آدمی تھے جنہوں نے یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی مجھ سے سوال جواب کئے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی میرے سامنے وہی سوال دہرائے۔ میں نے اُنہیں الفاظ میں اُن کا جواب دیا جن میں پہلے دے چکا تھا۔ یہ مکالمہ اِتنی بار دہرایا گیا جیسے کہ ایک ریکارڈ کہیں اٹک گیا ہو۔

"اُس آدمی کا نام پتا تُمہیں معلوم نہیں۔ کیا اُس کی شکل صورت بتا سکتے ہو؟"

"نہیں،" میں نے کہا۔

"کیا تُمہارا خیال ہے کہ ہمیں اس شخص کا علم نہیں؟ ہمیں سب علم ہے۔ اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غدار کو بھی گرفتار کیا جا چکا ہے۔"

"تو پھر آپ سب کچھ اُس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مجھے کیوں پُوچھتے ہیں؟"

"ہم تو تمہارے جھوٹ کی اِنتہا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تُم پہلے سیاست میں اور پھر اخباروں میں لمبے چوڑے کام کرتے رہے ہو۔ کیا تمہاری یاداشت اب اِتنی بھی نہیں رہی کہ اُس شخص کا حلیہ ہی بیان کر سکو"؟

"آپ لوگوں نے میرے ساتھ جو حشر کیا ہے، کیا اُس کے بعد میری یاداشت قائم رہ سکتی ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "کم از کم چوبیس گھنٹے سے مجھے سونے نہیں دیا گیا، میرے پیٹ میں دانہ اُڑ کر نہیں گیا۔ کھڑے کھڑے میرے پیر سوج گئے ہیں۔۔۔۔"

اُس شخص نے، جو سوال کر رہا تھا، میرے دو پہرے داروں میں سے ایک کو میرے لِئے ناشتہ لانے کا حکم دیا۔

"مجھے ناشتہ کی بھوک نہیں ہے،" میں نے کہا۔ "ایک چائے کی پیالی لا دیں۔"

تھوڑی ہی دیر میں گرم چائے آ گئی۔ میں نے جلدی سے پیالی کی چائے جو لانے والے نے میرے مُنہ سے لگائی تھی۔ پی لی۔

"بیٹھ کر آرام کرنا چاہتے ہو؟" اُس شخص نے پُوچھا۔

"ہاں۔"

اُس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔

"میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہیں،" میں نے کہا۔ "مجھے علم نہیں کہ میں کہاں پر ہوں اَور کس عقوبت خانے میں بند ہُوں۔ ہر طرف تالے لگے ہیں۔ میں یہاں سے بھاگ کر کیسے اَور کہاں جا سکتا ہوں؟ کیا آپ لوگ میرے ہاتھوں کو نہیں کھول سکتے؟ کم از کم ہاتھوں کو آگے لا کر ہی ہتھکڑی لگا دیں۔ میرے کندھوں میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔"

وہ شخص ایک مِنٹ تک سوچتا رہا۔ پھر اُس نے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اُس آدمی نے باہر پھرتے ہُوئے پہریدار کو آواز دی۔ پہریدار دروازہ کھول کر اندر آیا اَور اُس شخص کی ہدایت پر اُس نے پُشت پر سے میری ہتھکڑی اُتار دی۔

"اب تمہاری یادداشت کچھ تازہ ہُوئی ہے؟" اُس شخص نے سوال کیا۔ گرم چائے کی پیالی نے میری یاداشت تازہ کرنے کی بجائے اُلٹا میرے ذہن کو منتشر کرنے کا کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ ساتھ ہی زمین پر بیٹھنے اور ہاتھوں کو آرام پہنچنے سے میرے اُوپر غنودگی طاری ہونے لگی۔

جواب میں، میں نے آہستہ سے نفی میں سرہلا دیا۔

"منہ سے کچھ بولو۔"

"مجھے اُس کے آدمی کے بارے میں کچھ علم نہیں،" میں نے کہا۔ "میں قسمیہ کہتا ہُوں۔"

"اُس کا حلیہ؟ چال ڈھال؟ لباس؟ بات چیت؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں----"

اب وہ شخص بولا تو اُس کے لہجے میں پہلی بار غصے کی جھلک سنائی دی۔ "تم لاتوں کے بھوت ہو۔ مگر یاد رکھو، جلد یا بدیر تم اپنے ہی مُنہ سے ساری بات اُگلو گے۔ اِنتظار کرو۔"

دونوں آدمی اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ پہریدار نے دروازہ کھولا تو وہ باہر نِکل گئے۔ اُن کے جاتے ہی دُوسرے آدمیوں نے میرے دونوں ہاتھ پُشت پر کھینچ کر دوبارہ ہتھکڑی ڈال دی اور بالوں سے کھینچ کر کمرے کے وسط میں کھڑا کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اُن کی جگہ لینے کے لِئے دو نئے آدمی آکر ڈیوٹی پر مامور ہو گئے----------"

سرفراز کی ہمت نہ ہُوئی کہ اس سے آگے پڑھے۔ اُس نے دھپ سے کاغذ بند کر کے میز پہ رکھ دیئے۔ دیر تک وہ میز کی خالی سطح پہ نظر جمائے بیٹھا رہا۔ آخر اُس نے رومال سے آنکھیں خشک کیں اور کاغذ ہاتھ میں لِئے کمرے سے نِکل آیا۔ اعجاز جاگ اُٹھا تھا۔ سرفراز جا کر اُس کی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ سکینہ نے سرفراز کو یوں کاغذ ہاتھ میں اُٹھائے دیکھا تو ایک چھوٹی سی سانس اُس کے حلق میں اٹکی۔ جیسے اچانک اُسے خطرے کا احساس ہوا ہو۔

"لالہ،" سرفراز نے کوشش کر کے متوازن آواز میں کہا، "یہ کیا معاملہ ہے؟"

ایک لحظے تک اعجاز ان اوراق کو پہچان نہ سکا۔ پھر اُس نے فوراً اپنا تکیہ اٹھا کر دیکھا۔ "یہ تو نے کب یہاں سے اُٹھائے ہیں؟"

"اِس بات کو چھوڑو لالہ۔ میں پُوچھ رہا ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"